شوال کے چھ روزے اور امام مالکؒ کا مسلک

تحریر: پروفیسر خورشید عالم*

امام قاضی ابوالولید محمد بن رشد اندلسی (متوفی ۵۹۵ھ) اپنی کتاب بدایۃ المجتہد مطبوعہ دارالفکر، جلد ۱، ص ۲۲۵ پر رقم طراز ہیں کہ:

''نفلی روزوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ روزے جو مرغوب فیہ ہیں، دوسرے وہ روزے جو ممنوع ہیں، تیسرے وہ روزے جن کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ پھر ان میں سے کچھ روزوں کے بارے میں سب علماء متفق ہیں اور کچھ کے بارے میں ان میں اختلاف ہے۔ وہ روزے جو مرغوب فیہ بھی ہیں اور متفق علیہ بھی عاشورہ (نو اور دس محرم) کے روزے ہیں اور جن روزوں میں اختلاف ہے ان میں شوال کے چھ روزے، ہر ماہ کی تین روشن راتوں (تیرہویں، چودہویں، پندرہویں) کے روزے اور یوم عرفہ کا روزہ ہے''۔

شوال کے چھ روزوں سے متعلق حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ہے (جسے بخاری اور نسائی کے علاوہ ایک جماعت نے نقل کیا ہے) روایت یوں ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنَ الشَّوَّالِ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ [فَكَأَنَّمَا صَامَ الدَّهْرَ]))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے، وہ ایسے ہے جیسے اس نے ہمیشہ کے روزے رکھے''۔

اکثر اہل علم کے نزدیک شوال کے چھ روزے مستحب ہیں، مگر امام مالکؒ ان کو مکروہ گردانتے ہیں۔ ابن رشد نے امام مالک کے اختلاف کے تین احتمالات پیش کئے ہیں۔ فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ امام صاحب نے اس اندیشے کے پیش نظر اپنی رائے دی ہو کہ کہیں لوگ ان روزوں کو رمضان کے روزوں کا تسلسل سمجھ کر ان کو واجب نہ سمجھنے لگ جائیں، یا ہوسکتا ہے کہ ان تک یہ روایت نہ پہنچی ہو، یا ہوسکتا ہے کہ وہ اس روایت کو صحیح نہ سمجھتے ہوں اور یہ احتمال

* قرآن کالج، لاہور

بظاہر قوی معلوم ہوتا ہے۔ اس بات کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب المغنی (مطبوعہ ادارۃ البحوث العلمیۃ المملکۃ العربیۃ السعودیہ) جلد ۳' ص ۱۷۲ پر نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ امام مالک شوال کے چھ روزوں کو مکروہ سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''میں نے نہ کسی فقیہہ کو یہ روزے رکھتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ ہی سلف صالحین سے یہ بات مجھ تک پہنچی ہے۔ اور اہل علم ان کو دو خدشوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں' ایک تو بدعت کے خدشہ کے باعث اور ایک اس خدشہ کے باعث کہ کہیں ان کو رمضان کے روزوں کا تسلسل نہ سمجھ لیا جائے۔ یاد رہے کہ امام مالک بن انس (۹۳۔۱۷۹ھ) مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اسی کے گلی کوچوں میں عمر گزاری اور مسجد نبویؐ میں آخری عمر تک درس دیتے رہے۔ اس لئے انہیں امام دار الہجرۃ کہا جاتا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اور تابعین مدینہ منورہ میں رہتے تھے' اس لئے روایت حدیث میں ان کو اصل سرچشمہ سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا۔ فقہائے اربعہ میں یہ امتیاز صرف انہیں حاصل ہے۔ علم حدیث میں وہ تمام فقہاء سے ممتاز تھے۔ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ میں نے کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر موطا مالک سے صحیح کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ امام ابوحنیفہؒ کے لڑکے اور ان کے شاگرد امام محمد شیبانی نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور موطا امام مالک کا درس دیتے رہے اور اس کتاب کے نام پر اپنی کتاب موطا تالیف کی۔

ظاہر ہے جب اس پایہ کا امام یہ بات کہتا ہے اور مدینہ منورہ میں بیٹھ کر یہ بات کہتا ہے کہ میں نے نہ کسی فقیہہ کو یہ روزے رکھتے دیکھا ہے اور نہ سلف صالحین سے یہ بات مجھ تک پہنچی ہے تو انہوں نے یہ بات علیٰ وجہ البصیرت کہی ہے اور ان کی بات میں وزن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اہل علم کے علاوہ عام لوگ روزے رکھتے ہوں اور اس طرح رکھتے ہوں جیسے رمضان کے روزے رکھے جاتے ہیں' ان میں ناغہ کو گناہ سمجھتے ہوں۔ ہر ماہ کی تین روشن راتوں (تیرہویں' چودہویں' پندرہویں) کے روزوں کے بارے میں امام موصوف فرماتے ہیں کہ یہ روزے اس لئے مکروہ ہیں کہ کہیں جاہل لوگ ان کو واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔ اسی طرح وہ ایام تشریق کے روزوں کو اور جمعہ کے روزے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں۔ ان کو اس سلسلہ میں عقیدے میں فساد کا خدشہ تھا۔ آج کل عقیدے کا یہ فساد ابھر کر سامنے آرہا ہے۔ شوال کے روزے رکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ ان کے بغیر رمضان کے روزے ناتمام رہیں گے' پورا ثواب نہیں ملے گا اور یہ انتہائی غلط تصور ہے۔ امام مالک نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ ان ایام میں حقیقت کے روپ میں سامنے آرہے ہیں۔ عقیدے میں بگاڑ نے سنت کا چہرہ مسخ کر دیا

ہے۔ روزمرہ کی پانچ نمازوں میں ہم ایسی عبادات کرتے ہیں جو سنت سے صریحاً متصادم ہیں۔ مثلاً عصر اور عشاء سے پہلے چار غیر مؤکدہ سنتیں ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ نے کبھی ان کو پڑھا اور کبھی ترک کیا مگر ہم مؤکدہ سنتوں کی طرح بلاناغہ پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چھوٹ گئیں تو گناہ ہوگا' جبکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ علماء کا قول ہے کہ فرضوں سے امتیاز کی خاطر کبھی کبھی مؤکدہ سنتیں بھی چھوڑ دینی چاہئیں۔ ظہر' مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد جو نوافل ہم فرضوں کی مانند ادا کرتے ہیں سنت نبویؐ میں دُور دُور تک بھی ان کا نشان نہیں ملتا۔ ہم محض اس لئے پڑھتے ہیں اور ان کو نماز کا حصہ گردانتے ہیں کہ ہمارے مذہبی پیشوا ایسا کرتے ہیں۔ نماز میں اپنی طرف سے اضافہ گناہ ہے اور دین میں غلو کے زمرے میں آتا ہے مگر ہم ہیں کہ انہیں واجب سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ میرے رفیق کار پروفیسر محمد ریاض نے ایک مزے کی بات بتائی کہ دیہات کی مسجد میں ایک نمازی نفل پڑھے بغیر مسجد سے باہر نکل رہا تھا تو ایک دیہاتی نے اسے کہا ''اوئے! کیا نفل تجھ پر فرض نہیں؟'' ع ''ببیں تفاوت راہ است از کجا تا بہ کجا''۔ بات نفلوں سے فرضوں تک پہنچ گئی۔

فقہ کا یہ اصول ذہن میں ہونا چاہئے کہ جو نفلی عبادت واجب کی ادائیگی میں مانع ہو وہ حرام ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نفلی روزہ رکھا' وہ اتنی کمزوری محسوس کر رہا ہے کہ معاش کے قابل نہیں رہا تو وہ روزہ حرام ہے۔ اسی لئے شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی۔ بالکل اسی طرح جو نفلی عبادت دوسرے مکروہات میں دھکیل دے تو وہ بھی مکروہ ہو جائے گی۔ وہ مکروہات ہیں: بدعت' غلو فی الدین' نفل کو واجب گردانا' رمضان کے روزوں کو ناتمام سمجھنا' وغیرہ وغیرہ۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ سب نفلی عبادات میں نفع اور نقصان کا پہلو ہوتا ہے' لیکن جب نقصان کا پہلو نفع پر غالب آ جائے تو شارع علیہ السلام اس سے منع فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ صیام الدھر میں مشقت کے پیش نظر اس سے منع فرما دیا۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ عبادات کے بارے میں اسلام کا یہ نقطۂ نظر ہرگز نہیں کہ جتنی کثرت سے کی جائے گی اور جتنی تکلیف دہ ہوگی اس کا ثواب بھی اتنا زیادہ ہوگا۔ اعمال کے اجر کا دارومدار نہ کثرت پر ہے اور نہ مشقت پر' بلکہ اس بات پر ہے کہ عمل کرتے وقت دل کی کیفیت کیا تھی۔

اب آیئے حدیث کے متن کی طرف! میں نے اس بارے میں تحقیق نہیں کی' لیکن اس روایت کو نہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور نہ امام نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے اور ترمذی کی حسن کا مقام محدثین کی نظروں

سے اوجھل نہیں۔ پھر اس حدیث میں کوئی وجہ فضیلت نہیں' کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے روزوں کو صیام الدھر سے تشبیہ دی ہے۔ صیام الدھر (ہمیشہ کے روزے) نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق ممنوع ہیں۔ ایک اور حدیث میں بھی ہر مہینہ کے تین روزوں کو صیام الدھر سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ امام ابن جوزی نے درایت کی بنا پر ایک اصول قائم کیا ہے کہ جن احادیث میں تھوڑے عمل کا بہت زیادہ ثواب بتایا جائے وہ قابل اعتبار نہیں ہوتیں۔

امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو ایک اور طریقے سے روایت کیا ہے کہ ثوبان نے سعید سے روایت کی ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ شَهْرٌ بِعَشْرَةِ شَهْرٍ وَصَامَ سِتَّةَ اَيَّامٍ بَعْدَ الْفِطْرِ ذٰلِكَ تَمَامُ السَّنَةِ))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے اسے ایک مہینہ کے بدلہ میں دس مہینوں کا ثواب ہے اور عید الفطر کے بعد چھ روزے رکھے تو اس کے لئے ایک سال کا ثواب پورا ہو گیا''۔

حاشیۃ الروض المربع شرح زاد المستقنع میں عبدالرحمٰن النجدی نے جلد ۳' ص ۴۴۸ پر لکھا ہے کہ مذکورہ روایت کی روشنی میں بعض اہل علم کا خیال ہے کہ شوال کے علاوہ کسی اور مہینے میں روزے رکھنا افضل ہے' کیونکہ مذکورہ روایت میں شوال کا ذکر نہیں بلکہ بعد الفطر (عید الفطر) کے الفاظ ہیں' اس سے مراد عید الفطر کے بعد کوئی بھی مہینہ ہو سکتا ہے۔

قرین انصاف نہ ہو گا اگر اس بات کا ذکر نہ کروں کہ متاخرین فقہائے مالکیہ نے کچھ شرائط بیان کی ہیں جن کی موجودگی میں شوال کے روزے مکروہ سمجھے جائیں گے۔ ان شرائط کو الفقہ علی المذاہب الاربعہ' مطبوعہ دار الفکر کے مصنف الجزیری نے جلد اول کے صفحہ ۵۵۷ پر بیان کیا ہے:

۱) سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ روزے رکھنے والا لیڈر' پیشوا اور امیر جماعت قسم کا آدمی ہو اور یہ خدشہ ہو کہ اس کے عمل کو اس کے ماننے والے واجب سمجھنے لگ جائیں گے۔ جو لوگ اپنے دماغ سے سوچتے نہیں بلکہ اپنے پیشواؤں اور پیرانِ کرام کے دماغ سے سوچتے ہیں وہ ان کے فرمائے ہوئے کو مستند اور ان کے عمل کو واجب سمجھتے ہیں۔ بس یہیں سے شریعت کا حلیہ بگڑنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جس کا تذکرہ بے محل نہ ہو گا۔ میں اُن دنوں گورنمنٹ کالج جہلم میں عربی کا لیکچرر تھا۔ میرے پاس ایوب نامی ایک درویش صفت' صوفی منش آدمی آیا کرتا تھا۔ اسے عربی کے

نعتیہ قصیدے' قصیدۂ بردہ سمیت از بر تھے۔ وہ سناتا اور میں سنتا رہتا۔ کہیں کہیں اس کی اصلاح کر دیتا۔ ایک دفعہ وہ عید الفطر کے دن میرے گھر آیا' میں نے اس کے سامنے سویاں وغیرہ رکھیں تو کہنے لگا میرا روزہ ہے۔ میں نے کہا نبی کریم ﷺ نے اس روزے سے منع کیا ہے۔ کہنے لگا میرے شیخ کا حکم ہے۔ دیکھیں بات کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی! شیخ کے حکم کو نبی اکرم ﷺ کے حکم پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ امام مالکؒ اپنے خدشات میں حق بجانب تھے۔

۲) دوسرے یہ کہ اسے عید الفطر کے فوراً بعد رکھا جائے۔ اس اندیشے کے پیش نظر کہ اسے رمضان کے روزوں کا تسلسل نہ خیال کیا جائے۔

۳) تیسرے یہ کہ لگاتار بغیر وقفہ کے رکھا جائے۔ احناف کا مسلک بھی یہی ہے کہ یہ متفرق رکھے جائیں' ہر ہفتے میں دو روزے۔

۴) چوتھے یہ کہ روزے کا اظہار کیا جائے' یعنی سب کو پتہ چل جائے یا یہ خود بتاتا پھرے کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔

اگر یہ پانچ باتیں نہ ہوں تو بے شک روزے رکھ لے۔ لیکن اگر یہ شرائط موجود نہ بھی ہوں اور صرف یہ عقیدہ ہو کہ عید الفطر کے ساتھ ان روزوں کا اتصال سنت ہے تو پھر بھی روزہ مکروہ ہوگا۔

آخری پتے کی بات یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک وہ عبادات محبوب ترین ہیں جن میں میانہ روی ہو اور غلو کا شائبہ تک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المائدۃ میں فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں ان میں پاک چیزوں کو حرام نہ کرو اور حدود سے آگے مت نکلو' بے شک اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

امام ابن تیمیہ فتاویٰ کی جلد ۲۲' ص ۳۰۰ پر اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں: حدود سے آگے نکلنے میں صیام' قیام اور ذکر و فکر میں مبالغہ سے منع کیا گیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ